اسلامی مملکت میں قیامِ امن

مولانا محمد سعد صدیقی۔ ریسرچ آفیسر، قائد اعظم لائبریری، لاہور

اللہ تعالیٰ نے کائنات ارضی و سماوی، ملائکہ، جنات اور حیوانات کی تخلیق کے بعد انسان کو تخلیق کیا اور خلعت خلافت دینے کا اعلان کیا، انسان کی تخلیق سے قبل ملائکہ، جنات اور حیوانات کی تخلیق کی جا چکی تھی اور خلافت فی الارض کے لیئے ملائکہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتے تھے کہ وہ بہر طور و بہ ہمہ وجوہ جنات اور حیوانات سے اعلیٰ بھی تھے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب بھی، انسان کی تخلیق اور اعلان خلافت سے ملائکہ سراپا سوال بن کر بارگاہ الٰہی میں گویا ہوئے ۔

"اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء" [1]

(کیا آپ اس مخلوق کو یہ خلعت دے رہے ہیں جو زمین میں فساد برپا کرے گی اور خون بہائے گی ۔)

انسانی تخلیق جن عناصر سے کی گئی تھی، ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ملائکہ کا یہ سوال برمحل تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی تخلیق خالص نور سے کی تھی جو عصمت و اطاعت کا پیکر تھے ۔جبکہ انسان جسد خاکی سے بنایا جس کی بناء پر اس میں مادیت آگئی، مزید براں انسان کے اندر قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ رکھ دی گئیں، قوت غضبیہ کی بناء پر انسان سے سفک دماء قتل و غارت گری ظلم و ستم کی بجا طور پر توقع تھی ۔جبکہ قوت شہوانیہ کی بناء پر حرص و لالچ اور فساد فی الاخلاق کا امکان اور یہ اوصاف فساد فی الارض پر منتج ہوئے ۔ انسانی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر فساد اور بدامنی میں انسان اپنی دو قوتوں، قوت

غضبیہ اور قوت شہوانیہ کے متجاوز عن الحد، زائد از ضرورت اور بے محل استعمال کی بنا پر مبتلا ہوتا ہے۔ انسان کی ان دو قوتوں کی تربیت کر دی جائے اور ان کو صحیح رخ پر گامزن کر دیا جائے تو یہی قوتیں صلاح و فلاح اور سکون و عافیت کی زندگی کا سبب بنیں گی۔ اس عالم رنگ و بو میں اگر ایک جانب فساد و بدامنی کے کثیر واقعات نظر آتے ہیں تو دوسری جانب امن کے قیام کے لیئے مختلف نظریات، افکار اور فلسفے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ نظریات خاص ضرورت کے پیش نظر معرض وجود میں آتے ہیں محدود علاقوں کے لیئے مختص ہوتے ہیں اور زمان و مکان کی تبدیلی کی بناء پر بے اثر ہوتے ہیں۔ اس کے بالمقابل اسلام نے بعض قطعی احکام، واضح ہدایات کے علاوہ بنیادی و اساسی اصول و ضوابط دیئے ہیں جن کی بنیاد پر ہر زمانہ میں اور ہر مقام پر صلاح و فلاح کا معاشرہ اور امن و امان کی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔ اوراق آئندہ میں امن کے مفہوم پر بحث کرنے کے بعد اسلام کا فلسفہ امن اور نظام امن و سلامتی اور اس کے خدوخال واضح کئے جائیں گے اور یہ بتایا جائے گا کہ آج ایک اسلامی مملکت میں قیام امن کے لیئے کیا اقدامات نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے ہیں۔

امن کا مفہوم

امن کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں کہ امن خوف کی ضد ہے یعنی ازالہ خوف کا نام ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولف فرماتے ہیں:۔

"الامن یرید ان الارض تمتلی بالامن فلا یخاف احد من الناس والحیوان" ۲؎

(امن سے مراد یہ ہے کہ کوئی قطعہ زمین امن سے بھرپور ہو یعنی اس میں کسی انسان یا حیوان کو کوئی خوف نہ ہو)

اس وضاحت سے یہ بات مترشح ہوئی کہ کسی قطعہ ارضی میں قیام امن سے مراد محض فساد نہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قطعہ ارضی میں ہر انسان و حیوان

فساد کے خوف و اندیشہ سے بھی آزاد اور مطمئن ہو۔ چنانچہ جس خطۂ ارضی میں اندرونی اور بیرونی ہر قسم کی فتنہ پردازیوں، فساد اور بدامنی کے محرکات، امکانات اور خدشات کا سدباب کیا جائے اور ایسے تمام اسباب کو بھی ختم کرنے کی سعی کی جائے جو بدامنی و فساد پر منتج ہوں، وہ خطہ ارضی امن سے بھرپور کہلائے گا۔

امن کے اس لغوی مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کا دعویٰ بے جا نہ ہوگا کہ اس مفہوم پر پورا اترنے والا امن صرف وہی ہے جو اسلامی ضوابط، قرآنی ہدایات اور نبوی تعلیمات سے ماخوذ ہے کیونکہ دنیا میں امن کے لئے پیش کئے جانے والے تمام نظریات امن کسی نہ کسی بدامنی اور فساد کے نتیجہ میں معرض ظہور میں آئے۔ کوئی نظریہ جنگ عظیم اول کے فسادات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا تو کسی نظریہ کے وجود کا سبب جنگ عظیم دوم کے فسادات بنے اور کوئی نظریہ جدید دور کی ایٹمی جنگوں کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ جبکہ اسلام نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے فساد کا سدباب کرتا ہے بلکہ فساد کے امکانات کے آگے بھی بند باندھتا ہے۔ اسلام کا نظریہ امن وسلامتی دائمی اصول کے تحت لازوال بنیادوں پر قائم واستوار ہے جس میں مملکت کی عمارت کو امن کی مضبوط و مستحکم بنیاد پر اٹھایا گیا ہے۔

اسلام کا فلسفۂ امن

جیساکہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلام کا فلسفۂ امن کسی وقتی ضرورت یا کسی حادثہ کی بنا پر معرض وجود میں نہیں آیا کہ جس کو صرف اس خاص حادثہ کی وجوہ و نتائج کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہو اور صرف وقت حادثہ کے حالات کو مدنظر رکھا گیا ہو۔ بلکہ اسلام نے ایسے بنیادی و اساسی احکام و قوانین دیئے اور ایک ایسا نظام اخلاق مرتب کیا کہ جس پر چل کر انسان ایک مستحکم امن اور مستقل مامون خطہ ارضی حاصل کرسکتا ہے۔ اس کے اصول و ضوابط اور اساسیات و قوانین پر غور کیا جائے تو حسب ذیل رہنما اصول نظر آئیں گے جن کو کسی بھی وقت و زمانہ میں کسی بھی خطۂ ارضی میں اپنایا جاسکتا ہے۔

امن کی عظمت / فساد کی مذمت

تخلیق انسانی پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ایک جانب انسان میں فساد فی الارض پھیلانے کے لیئے دو قوتیں ۔ قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ ودلیعت کی گیئں۔ اس پر مستزاد، اس کی مادی تخلیق میں ایسے عناصر کو استعمال کیا گیا کہ جن کی بناء پر اس میں غیظ وغضب، حرص وطمع اور غرور وتکبر کے خصائل پیدا ہو گئے۔ تو دوسری جانب اس کے باطن میں ایک ایسا فطری جذبہ بھی رکھ دیا کہ جو اس کو اس بد امنی سے محفوظ رکھتا ہے اور امن وسکون کا متلاشی بناتا ہے بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انسان نے تلاش سکون کے مختلف ذرائع اختیار کر لیئے ہیں ان میں سے بعض ذرائع اس کی اپنی صلاح و فلاح کے ساتھ دوسروں کے لیئے وجہ اطمینان اور سبب سکون ہوتے ہیں جبکہ بعض ذرائع انسان نے ایسے اختیار کر لیئے جن سے اس کی اپنی خواہش کو تسکین حاصل ہوتی ہے لیکن اپنی اس تسکین کے حصول کے لیئے وہ دوسرے پر ظلم و بربریت، اس کی حق تلفی اور فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس طرح اسے وقتی تسکین حاصل ہوتی ہے لیکن وہ حقیقی سکون قلب اور اطمینان اس کو نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سکون و اطمینانِ قلب کے لیئے اپنی تسبیح و تحمید کی نصیحت بھی کی اور طرق بھی بتائے۔ لیکن آدم اب ایک مرکز امن و سلامتی اور تسبیح و تحمید میں کسی ساتھی کے متلاشی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال پر ارشاد فرمایا۔ -

"ساخرج من صلبك من يسبحني ويحمدني وساجعل فيها بيوتا ترفع لذكري واجعل فيها بيتا اختصه بكرامتي واسميه بيتي واجعله حرما امنا، فمن حرمه بحرمتي فقد استوجب كرامتي ومن اخاف اهله فيه فقد خفر ذمتي واباح حرمتي " ؎

(میں عنقریب تمہاری نسل میں ایسے لوگ پیدا کر دوں گا جو میری تسبیح و تحمید کریں گے، میں

ایسے گھر بناؤں گا جو میرے ذکر کو بلند کریں گے اور ان گھروں میں ایک گھر ایسا بناؤں گا جس کو اپنی کرامت کے ساتھ خاص کر دوں گا، وہ میرا گھر ہوگا اور اس کو حرم اور جائے امن بناؤں گا پس جو کوئی اس حرم کی حرمت کو برقرار رکھے گا میری طرف سے اپنی عزت کو واجب کر لے گا اور جو کوئی اہل حرم کو خوف میں مبتلا کرے گا، وہ میرے ذمہ کو ختم کرنے والا اور میری حرمت کو مباح کرنے والا ہوگا)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم کے لیئے اس جواب سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آرہی ہے کہ حضرت آدم ایک مرکز امن کے خواہاں ہیں چنانچہ ان کی اس نیک خواہش کا احترام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ایک مرکز امن وسلامتی کا اعلان کر دیا۔ "واذجعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا" (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مقام امن بنایا) بلکہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ میری نظروں میں کوئی معزز و مکرم ہونا چاہتا ہے تو وہ اس حرم کی حرمت کو قائم رکھے اور اہل حرم یعنی حدود حرم میں رہنے والوں اور حرم کا تقدس و احترام کرنے والوں کو خوف میں مبتلا نہ کرے۔ جو شخص یا طبقہ اہل حرم کو خوفزدہ کرے گا، اللہ کے ذمہ اور حفاظت سے نکلنے والا ہوگا۔ اس مرکز امن کو آباد رکھنے، اس کی حفاظت اور حرمت کو برقرار رکھنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع کیا جو حضرت آدم سے شروع ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے عروج و اختتام پر پہنچا۔ ان انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سب انبیاء نے امن کی دعوت دی اور فساد فی الارض سے قوم کو منع کیا۔ قوم ثمود کی جانب حضرت صالح کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تعلیمات قرآن کریم نے بیان کیں۔

"فاذکروا الاء اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین" [۵]

(سو خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ)

اسی طرح قوم مدین کی جانب حضرت شعیب کی بعثت و تعلیمات بھی انہی الفاظ میں بیان فرمائیں۔

" فاوفوا الكيل والميزان ولا تبخسوا الناس اشياءهم ولا
تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها " ۵ھ

(تو تم ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کرو اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ اس کی اصلاح کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاو)۔

انبیاء کے علاوہ ان پر نازل ہونے والی کتب اور اترنے والے صحف میں بھی امن و آشتی اور صلاح و فلاح کی دعوت دی گئی اور زندگی گزارنے کے وہ طرق بتائے گئے جن پر چل کر انسان امن و عافیت کی زندگی گزار سکتا ہے۔ اور آخر میں نبی کریمؐ کی بعثت کہ جو بفوائے ارشاد ربانی ۔۔

" لقد منّ الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا " ۵ھ

انسانیت پر عموماً اور اہل ایمان پر خصوصاً ایک عظیم احسان ہے اور جو انسانیت کو اس صریح عظیم گمراہی سے نجات دلانے والی ہے جس کی جانب آیت " وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین " میں ارشاد کیا گیا ہے ۔ یہ عظیم گمراہی کیا ہے اس کی وضاحت ایک دوسرے مقام پر اس طرح فرمائی گئی ہے ۔۔

واذکروا نعمت الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمته اخوانا وکنتم علی شفا حفرة من النار
فانقذکم منها " ۵۸ھ

(اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو اس نے تم پر کی جبکہ تم ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اس کے انعام سے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور تم (اس گمراہی) کے سبب آگ کے گڑھے کے ایک کنارہ پر پہنچ چکے تھے، اس سے تم کو نجات دی ۔)

معلوم ہوا کہ وہ گمراہی جس میں قبل از نبوت بنی نوع انسان تعلیمات ربانی سے بیگانگی، جہل اور روگردانی کے سبب مبتلا تھی وہ یہ تھی کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے، کوئی خاندان دوسرے خاندان کی جانب سے، کوئی قبیلہ دوسرے قبائل سے

اور کوئی مملکت دوسری مملکت سے محفوظ و مامون نہ تھی بلکہ ہر خاندان و قبیلہ انفرادی یا اجتماعی بدامنی میں نہ صرف مبتلا تھا بلکہ یہ شعار و طریقہ اپنے لیئے وجہ افتخار، باعث عزت سمجھتا تھا اور ذریعہ معاش تھا۔ ابوعلی قالی کتاب الامالی میں مشرکین کے اشہر حرم میں تبدیلی اور تقدیم و تاخیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"وذالك لانهم كانوا يكرهون ان تتوالى عليهم ثلاثة أشهر لا تمكنهم الاغارة فيها لان معاشهم كان من الاغاره" [۹]

(اور یہ اس بنا پر تھا کہ وہ یہ پسند نہ کرتے تھے کہ ان پر تین ماہ مسلسل بغیر کسی غارت گری کے گزر جائیں۔ کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعہ معاش تھی)

کوئی تجارتی قافلہ محفوظ تھا نہ حاجیوں کا کوئی کاروان، اسلم و غفار مکہ کے آس پاس آباد تھے اور حجاج کا سامان لوٹنے میں شہرت رکھتے تھے[۱۰]۔ غرضیکہ فساد اور بدامنی کی کوئی ایسی صورت نہ تھی جو معاشرہ میں موجود نہ تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو دین امن و اخوت عطا فرمایا اور وہ کتاب ہدایت عطا فرمائی کہ جس میں متعدد مقامات پر امن کی عظمت و اہمیت کو واضح کیا گیا اور فساد کی شدید مذمت اور مفسد کو سخت سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں امن کی عظمت اور فساد کی مذمت

قرآن کریم میں امن کی عظمت کو متعدد مقامات پر روشن واجاگر کیا گیا ہے۔

انبیاء کی بعثت: گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام اور پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کا بنیادی و اساسی مقصود دنیا میں فساد اور اسباب فساد کا سد باب اور امن و سلامتی اور سکون و عافیت کا ایک معاشرہ قائم کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر امن کی عظمت کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے نفاذ کیلئے انبیاء کی ایک جماعت سعیدہ مبعوث کی گئی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ ۔

ان من اعظم المقاصد التی نصدت ببعثت الانبیاء علیہم السلام دفع المظالم بین الناس،، ۱۱

(بعثت انبیاء کے مقاصد میں سے ایک عظیم ترین مقصد انسان کے مابین ہونے والے مظالم کا تدارک ہے)

قتل ایک عظیم گناہ قرآنی تعلیمات اور ربانی ہدایات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ کفر و شرک کے بعد سب سے عظیم گناہ قتل نفس ہے

کفر و تکذیب آیات اللہ کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے۔

والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولئك اصحب النار خالدین فیہا،، ۱۲

(اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔)

اسی طرح ارشاد فرمایا۔

انّ الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدین فیہا اولئك ہم شر البریۃ ۱۳

(بے شک جو لوگ اہل کتاب یا مشرکین میں سے کافر ہوئے، وہ آتشین دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بد ترین خلائق ہیں۔)

معلوم ہوا کہ اہل کفر و شرک اللہ کے نزدیک بد ترین مخلوق ہے اور اس کے متعلق آتش دوزخ میں ہمیشہ کے لیئے ڈالے جانے کا فیصلہ قرآن کریم میں ایک نہیں متعدد مقامات پر واضح انداز، صریح اسلوب اور واشگاف الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو جہنم کا ایندھن بھی بتایا گیا ہے اور اسی قسم کے لوگوں کے متعلق ہی یہ اعلان بھی کیا گیا ہے کہ۔

(اولئك کالانعام بل ہم اضل،، ۱۴

(کہ یہ لوگ جانور بلکہ جانور سے بھی بد تر ہیں)

یعنی کفر و شرک کی زندگی اختیار کرنے کے بعد انسان نہ صرف دائمی عذاب الہی کا مستحق ہو جاتا ہے بلکہ اپنے آپ کو شرف وصف انسانیت سے نکالنے والا ہوتا

ہے۔

کفر و شرک کے علاوہ جس جرم پر خلود جہنم کی سزا کا اعلان کیا گیا ہے، وہ کسی مومن کا دوسرے مومن کو عمداً قتل کرنا ہے۔

" ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما " ۱۵ہ

(جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تو اس کا بدلہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا غصہ اس پر مسلط رہے گا، اللہ کی لعنت کا وہ نشانہ بنے گا اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار رکھا ہے)

معلوم ہوا کہ کسی مؤمن کو عمداً قتل کرنیوالا جہنم میں ہمیشہ رہنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے غضب، لعنت اور اس کے عظیم عذاب کا نشانہ بھی رہے گا۔

کفر و شرک اور قتل مومن پر سزاؤں کے اعلان پر مشتمل ان آیات سے اس بات کا بخوبی علم ہوا کہ قتل مومن دراصل کفر و شرک کے متوازی و مساوی گناہ ہے اور اس کی وہی سزا ہے جو ارتکاب کفر و شرک کی ہے۔ قتل مومن کی مزید مذمت کرتے ہوئے اور اس کی قباحت کو مزید واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

من اجل ذالک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکأنما قتل الناس جمیعا " ۱۶ہ

(اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جو شخص کسی معصوم جان کو قتل کر دے گا یا زمین میں فساد پھیلائے گا، گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا)

• اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر کبیر امام رازی لکھتے ہیں۔

" المقصود من تشبیہ قتل النفس الواحدۃ بقتل النفوس المبالغۃ فی تعظیم امر القتل العمد العدوان وتفخیم شانہ یعنی کما ان قتل کل الخلق امر مستعظم عند کل احد فکذالک یجب ان یکون قتل الانسان الواحد مستعظما مھیبا " ہ

(کسی ایک نفس کو نفوس کے قتل سے تشبیہہ دینے کا مقصود یہ ہے کہ قتل عمد کی ہیبت نفرت اور اہمیت میں مبالغہ کو بیان کیا جائے یعنی جس طرح پوری خلقت کو قتل کرنا کسی معاشرہ میں بہت بڑا معاملہ ہے اسی طرح واجب ہے کہ ایک نفس کا ضیاع بھی اہل ایمان کے نزدیک بہت بڑا اور ہیبت ناک معاملہ ہو۔

یعنی اہل ایمان سے قتل عمد کا صدور ایک امر نا ممکن ہے۔ فرمایا۔

"وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء" [۱۸]

(کسی مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے سوائے قتل خطاء کے

ان آیات سے اندازہ ہوا کہ قتل مومن کس قدر عظیم گناہ ہے اور دراصل قتل مومن جرائم میں سب سے بڑا جرم اور فسادات میں سب سے عظیم نوعیت کا فساد ہے۔

فتنہ قتل سے بھی عظیم تر

محولہ بالا آیات سے قتل مومن کی شناعت اور ہیبت واضح ہوگئی اس وضاحت و صراحت کے بعد آیات قرانیہ اور احکام ربانیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ خرابی اور قباحت کے لحاظ سے فتنہ قتل سے بڑھ کر واقع ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"والفتنۃ اشد من القتل" [۱۹]

(اور فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔)

"والفتنۃ اکبر من القتل" [۲۰]

(اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔)

آیات بالا میں سے ایک فتنہ کو قتل سے زیادہ شدید اور دوسری آیت میں قتل سے اکبر یعنی بڑا شمار کیا گیا ہے۔ ان تصریحات کے علاوہ قرآن کریم کا ایک اور حکم، اس بات کی واضح نشاندہی کرتا ہے کہ فتنہ و فساد بنی نوع انسان کے لیئے کس قدر مضر اور نقصان دہ ہے۔ اس کی اسی مضرت کو دیکھتے ہوئے، فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لیئے قتل و قتال کی اجازت دی گئی ارشاد ہوا۔

"وقاتلوهم حتی لاتکون فتنۃ"، ۲۱ھ

(اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔

یعنی فتنہ ایسی مذموم شئے ہے کہ اس کے سدباب اور روک تھام کے لیئے قتال جیسی قبیح چیز کو جائز اور روا کر دیا گیا ہے اور یہ جواز اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک کہ فتنہ وفساد کا وجود برقرار رہے۔ فتنہ وفساد کی مضرت و مذمت بیان کرتے ہوئے اہل ایمان کو امکانی حد تک اس سے بچنے کا حکم دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ فتنہ کی مضرت رسانی ہر کس و ناکس کے لیئے ہے خواہ وہ اس فتنہ کے وجود کا باعث ہو یا نہ ہو۔ ارشاد ہوا۔

"واتقوا فتنۃ لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ" ۲۲ھ

(اور اس فتنہ سے بچو جو تم میں سے صرف انہی لوگوں کو نقصان نہیں پہنچائیگا جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔

یعنی فتنہ کی مضرت اور اس کا نقصان ظالم اور غیر ظالم دونوں کو ہوگا۔ چنانچہ اس سے بچنے کا حکم اس آیت میں اور بچنے کے طریقہ کی ایک دوسرے مقام پر ہدایت کرتے ہوئے یہ بات واضح کی کہ مومن مومن کا دوست ہے اور کافر کافر سے محبت و انس رکھتا ہے لہذا کوئی بھی مومن کسی کافر سے محبت و انس نہ رکھے۔ فرمایا۔

"والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر" ۲۳ھ

(اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہیں کروگے (کافروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھوگے) تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔

سورۂ انفال کی آخری آیات میں بیرونی فتنہ وفساد کی روک تھام کے لیئے اس اساسی و بنیادی حکم کے بعد اندرونی فتنہ و فساد کو روکنے کا طریقہ سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں بیان کیا گیا۔ (وہ احکام نظام امن کی تفصیلات کے بیان میں آئیں گے)۔ یہ احکام فتنہ وفساد کی اہمیت عظیم قباحت پر دلالت کرتے ہیں اور غمازی کرتے ہیں کہ فتنہ

و فساد دراصل قتل و قتال سے بھی زیادہ مضرتیں اور قباحتیں اپنے اندر لیئے ہوئے ہے۔

نظام حدود

اسلامی نظام حدود اور فلسفہ تعزیرات کی بنیاد دو امور پر ہے۔

۱۔ تعذیب مجرم

۲۔ عبرت اغیار

یعنی سزا کا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس میں مرتکب مجرم کو اذیت کا سامنا بھی ہو اور پھر اس کا نفاذ اس طرح بر سر عام ہو کہ وہ دوسروں کے لیئے سامان عبرت بن جائے۔ پھر جن مجرمین پر حدود قائم کی گئی ہیں اور تعزیرات دینے کا حق قاضی کو دیا گیا ہے ان کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ تارک ارکان اسلام

۲۔ کسی معاشرتی جرم کا مرتکب

ارکان اسلام سے مراد نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہیں۔ ان عبادات میں بھی زکوۃ ایسی عبادت ہے جو معاشرتی منافع و فوائد کا پہلو اپنے اندر غالب رکھتی ہے جبکہ نماز، حج اور روزہ میں تعلق مع اللہ کا اظہار غالب اور مخلوق سے تعلق مغلوب رہتا ہے چنانچہ اس حیثیت سے جب تارک صلوٰۃ کی حد پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک تارک صلوۃ کی سزا موت ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے یا مر جائے[۲۴]۔ تارک صلوٰۃ کی یہ دونوں سزائیں ایسی ہیں کہ جن ہیں عبرت اغیار کا پہلو مغلوب اور تعذیب مجرم کا پہلو غالب ہے کہ قید کی سزا کا نفاذ بر سر عام نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے بالمقابل زکوٰۃ جو اپنے اندر معاشرتی منفعت رکھتی ہے اس کے تارک کی سزا صدیق اکبرؓ کے عمل سے حسب ذیل معلوم ہوئی۔

واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لقاتلتھم علی منعہ ۲۵؎

(خدا کی قسم میں ہر اس شخص سے بھی قتال کروں گا جو اس رسی کے دینے سے انکار کرے گا جو وہ حضور کے زمانہ میں جانور کے ساتھ دیا کرتا تھا۔)

جہاد و قتال بہر آئینہ موت و قید سے زیادہ عبرت اپنے اندر رکھتے ہیں۔مزید براں معاشرتی جرائم کے مرتکب افراد کو ایسی سزا دینے کا اعلان کیا گیا کہ جن کی عبرت نہ صرف نفاذ حد کے وقت قائم ہو بلکہ آئندہ بھی برقرار رہے چنانچہ سارق کی سزا بفوائے ارشاد الٰہی :

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما ۲۶؎

(چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو)

قطع ید ٹھہری کہ چور کا کٹا ہوا ہاتھ تاحیات یہ دعوت دیتا رہے ۔

ع دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

مذکورہ بالا امثلہ سے امن کی عظمت اور فساد کی قباحت بخوبی واضح ہو گئی۔اور اس بات کا بھی ادراک ہو گیا کہ قرآن کریم نے جو نظام امن دیا ہے اس کا قیام کس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اس نظام کے بغیر انسان کی کوئی کوشش قیام امن کو استحکام اور ترقی نہیں دے سکتی ۔اس اہمیت، عظمت اور قدر و منزلت کی وضاحت و صراحت کے بعد اب اسلام کے نظام امن پر بحث کی جائے گی ۔اس کے خدوخال واضح کیے جائیں گے ۔

اسلام کا نظام امن

جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام کا نظام امن جو قرآن کریم اور سنت نبویہؐ سے بصورت قانون اور خلافت راشدہ سے بصورت عمل و نفاذ امت کو ملا ہے۔ وہ کسی حادثاتی ضرورت یا کسی ناگہانی حاجت کی بنیاد و اساس پر قائم نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر نظام ہے جو ان اساسیات پر استوار ہے کہ جو ایک پائیدار، دائمی اور مستقل نظام امن و سلامتی قائم کرنے ، اسے مستحکم کرنے اور برقرار رکھنے میں ممد و معاون ہے۔اسلام نے

اقوام وملل کو معاشرتی ، مادی اور ظاہری حدود و قیود کے بجائے دو طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم۔ کہ اسلام کے نزدیک مسلمان خواہ کسی بھی قبیلہ سے منسلک ہو، خطۂ ارضی کے کسی بھی قطعہ میں آباد ہو، ایک قوم کا فرد کہلاتا ہے لیکن غیر مسلم کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا :-

۱۔ ذمی ۔ وہ کافر کہ جو اسلامی حکومت کی حدود میں آباد ہے۔

۲ حربی۔ وہ کافر جو ایک غیر مسلم ریاست میں آباد ہے ۔

ان تین خطوط پر جب نظام امن کا جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اہل ایمان کی آپس میں اخوت و برادری کس طرح قائم کی، ان کے حقوق کی حفاظت اور فرائض کا تعین کن بنیادوں پر رکھا۔ اور کس طرح انہیں عدل و انصاف مہیا کیا دوسری جانب ذمیوں کو کیا حقوق دیئے گئے اور ان کی سرپرستی و حفاظت کے لیئے کیا اقدامات کئے گئے اور حربی کفار کے لیئے نظام جہاد کن بنیادوں پر استوار کیا گیا کہ وہ جہاد وجہ قتال نہیں دعوت امن بن گیا۔

اخوت و برادری

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ نے نبی نوع انسان کو ایک ہی مادہ اور ایک ہی نفس سے تخلیق کیا اور اس بنیادی و مادی تخلیق میں نوع انسانی کے تمام افراد کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ۔ ارشاد ہوا۔

"یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ" ٢٧ ؎

اے لوگوں ڈرو اس خدا سے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا)

"ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ" ٢٨ ؎

(وہ ایسا ہے کہ جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا)

ایک نفس یعنی آدم سے ساری اولاد کو پیدا کیا اور اس پیدائش میں مادہ بھی ایک ہی استعمال ہوا یعنی :

"ھو الذی خلقکم من طین" ٢٩ ؎

(وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ۔)

گویا انسان کی تخلیق ایک جان اور ایک مادہ سے ہوئی ہے اور تخلیقی اعتبار سے اس

میں کسی قسم کا تفاوت و امتیاز نہیں رکھا گیا البتہ انسان نے اس ابتدائی تخلیق کے بعد دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کیا ہدایت و ایمان یا گمراہی اور کفر۔ ان دو علیحدہ علیحدہ راستوں کو اختیار کرنے کی بنا پر وہ انسان جو ایک نفس و مادہ سے بنایا گیا تھا، دو طبقات میں تقسیم ہو گیا۔

"ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن" ۳۰؎

(وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا سو باوجود اس کے بھی) تم میں سے بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن)

یہ تاکید اس بنا پر کی جا رہی ہے کہ انسان فطری، خلقی اور مادہ تخلیق کے اعتبار سے کبھی اپنے آپ کو دوسرے انسان سے فائق اور اعلیٰ تصور نہ کرے بلکہ یہ تقسیم باعتبار ایمان و کفر ہو گی۔ پھر اہل ایمان کو اخوت و برادری کی ایک لڑی میں پرو دیا۔

"انما المؤمنون اخوۃ" ۳۱؎

(مسلمان تو سب بھائی ہیں۔)

مسلمانوں کو اس اخوت و برادری میں پرو کر اس بات کا اعلان کیا گیا، آگ کی اس کھلی گہری گھاٹی سے نجات دلانے والی یہی اخوت و برادری اور تالیف قلوب ہے ورنہ اس ہدایت و اخوت سے قبل افراد انسانیت ایک دوسرے کی عداوت و دشمنی کی بنا پر "حفرۃ" کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے ۳۲؎

اس اخوت کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا مظاہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ مواخاۃ قائم ہونے سے ہوا کہ جب ایک دوسرے سے بیگانہ لوگ محض رشتہ اسلام کی بنیاد پر باوجود رنگ و نسل اور قبیلہ و خاندان کے اختلاف کے اخوت و برادری کی لڑی سے ایسے منسلک ہوئے کہ جیسے کبھی جدا نہ تھے۔ اس اخوت و برادری میں رخنہ ڈالنے والے ایک امکانی سبب کو بھی ختم کر دیا گیا کہ خاندانی تفوق، قبائلی عصبیت، علاقائی تعصب اور نسلی امتیاز کی بنا پر تفاخر و برتری کو ختم کر دیا گیا اور فرما دیا گیا۔

"وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"۳۳ ؎
(تم کو جماعتوں اور قبیلوں میں محض شناخت کے لیئے تقسیم کیا گیا ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز وہی ہے جو متقی ہے)

یعنی اللہ کے نزدیک عزت واکرام اور ترفیع وترجیح کسی خاندان، قبیلہ یا کسی خاص شجرہ نسب سے منسلک ہونے سے نہیں بلکہ ایمان وتقویٰ کے لحاظ سے ہے۔ اسی طرح ایک نبی کے صلبی بیٹے کو خاندان نبی سے خارج کر دیا گیا۔ حضرت نوحؑ طوفان سے بچنے کیلئے اہل ایمان کے ساتھ کشتی میں سوار ہیں اور اپنے بیٹے کو بھی اس میں سوار ہونے کی دعوت دے رہے ہیں، بیٹے نے راہ ہدایت کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کی اور موج طوفان کی نذر ہو گیا، حضرت نوح کی پدری شفقت غالب ہوئی اور آپ نے بارگاہ ایزدی میں ندا کی :۔

"ونادی نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی"۳۴ ؎

(حضرت نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں ہے۔ حضرت نوح کی اس ندا کا جواب بارگاہ ربوبیت سے یہ دیا گیا :۔

"یا نوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح"۳۵ ؎

(اے نوح یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں بلکہ یہ خاتمہ تک تباہ کار دکافر رہنے والا ہے)

یعنی حضرت نوح کے خاندان کا فرد وہ ہے جو مومن ومتقی ہے۔ جو شخص ایمان وتقویٰ کی صفت سے متصف نہیں، اس کا نوح سے کوئی رشتہ وقرابت نہیں خواہ وہ ان کا اصلی بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ کسی بھی شخص کو اپنے قبیلہ، خاندان یا نسلی امتیاز کو وجہ افتخار سمجھنے کی اجازت نہیں اور اس طرح اس اخوت میں جس نقص کا امکان تھا، اس کا سدباب کر دیا گیا۔ مزید یہ کہ اس رشتہ اخوت کو مزید مضبوط ومستحکم کرنے کے لیئے یہ حکم بھی دیا گیا کہ صرف یہی کافی نہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت تو اخوت برقرار رکھے لیکن دوسری اور تیسری جماعت آپس میں جنگ وجدال اور قتل وقتال قائم رکھیں۔ ارشاد فرمایا گیا :۔

"وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما، فان بغت احدٰھما علی الاخری فقاتلوا اللتی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللّٰہ" ۳۶ھ

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑنے لگیں تو (تیسری جماعت کو چاہیئے کہ) وہ ان میں صلح کرائے اور اگر ان میں سے ایک سرکشی کرے تو قتال کیا جائے حتی کہ سرکش جماعت اللہ کے حکم کو پورا کرنے لگے)

یعنی اسلام کی قائم کردہ یہ اخوت و برادری اس قدر اہم ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت اللہ کے اس حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرتی ہے تو اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے اور اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک وہ اللہ کے اس حکم کی پابند نہ ہو جائے یہ تو وہ اقدام تھے جن کے ذریعہ اس اخوت و برادری کو برقرار و قائم رکھنا مقصود ہے ۔ مزید براں اس جذبہ کو استحکام و ترقی دینے کے لیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت کے احکام امت کو دیئے اور یہ بات ارشاد فرمادی کہ دراصل مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور اس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ و مامون رہیں ۔

اقلیتوں کے حقوق اور ان کی حفاظت

اسلام کا قانون امن و سلامتی ساری انسانی کائنات کی حفاظت کا ضامن ہے ، اس قانون کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ۔جس طرح دارالاسلام میں ایک مسلمان عزت و آبرو اور اطمینان و سکون کی زندگی کا مستحق ہے اتنا ہی استحقاق ایک غیر مسلم کے لیئے بھی ہے ، احکام الٰہی کا پابند مسلمان اس غیر مسلم کی آزادی اور اس کے امن و امان میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا ۔

ایک اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ جو غیر مسلم اس کی قلمرو میں بستے ہیں اور حکومت نے ان کی ذمہ داری قبول کر لی ہے ، ان کی جان و مال ، عزت و ابرو اور مذہبی آزادی پر حرف نہ آنے دے اور جس طرح بھی ممکن ہو ، سب سے پہلے ان کی خبرگیری کر کے اپنی ذمہ داری

کو پورا کرے، اس لیئے کہ یہ معاہد ہیں، گو ان کا مذہب حکومت کے مذہب کے خلاف ہے، ایسا کبھی نہ ہو کہ مذہب کا اختلاف ظلم وجور کا ذریعہ بن جائے اور خدا کے یہ بندے اسلام کے عدل وانصاف سے محروم رہ جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاما" ۳۷

(جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا اور بلاشبہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انما بذلوا الجزية لتكون دماءهم كدمائنا واموالهم كاموالنا" ۳۸

(ان غیر مسلموں نے جزیہ اسی لیئے ادا کیا ہے کہ ان کا خون ہمارے خون کے برابر اور ان کا مال ہمارے مال کے درجہ میں آجائے)۔

دار قطنی میں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل کی گئی ہے:۔

"قال علی من كانت ذمتنا فذ متہ كذ متنا ودیتہ كديتنا" ۳۹

(حضرت علی کا قول ہے جو غیر مسلم ہمارا ذمی بن جائے تو اس کا خون ہمارے خون جیسا ہو جاتا ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کے برابر)۔

معلوم ہوا کہ ذمی (غیر مسلم) رعایا کو ملک میں وہی شہری حقوق اسلام عطا کرتا ہے جو مسلم رعایا کو حاصل ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن قوموں پر جزیہ لگایا گیا، اور اس سلسلہ میں آپ نے ان کو جو حقوق عطا کیئے وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، ان واقعات سے بڑی آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلم رعایا کا کس قدر لحاظ و پاس کیا ہے۔

اہل نجران کو آپ نے جو پروانہ ذمہ داری عطا کیا تھا، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

وجعل لهم ذمة الله وعهده وان لا یفتنوا عن دینهم ومراتبهم فیه ولا یحشروا ولا یعشروا،، ۲۰؎

(ان غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور عہد دیا جاتا ہے کہ ان کو نہ تو ان کے مذہب سے روکا جائے گا، نہ ان کے مرتبے گھٹائے جائیں گے۔ نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی۔ اور نہ عشر لیا جائے گا)۔

مزید براں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"الا من ظلم معاهدا او انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیأ بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیامة،، ۲۱؎

(سنو! جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا، اس کے حقوق میں کمی کرے گا، استطاعت سے زیادہ تکلیف دے گا، یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے احتجاج کروں گا)

خلفائے راشدین کا سلوک غیر مسلموں سے

خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ میں جو فتوحات کی ہیں، ان کی تاریخ کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جس قدر رعاتیں ممکن ہو سکتی ہیں کیں، ۱۴ھ میں فتح دمشق کا واقعہ پیش آیا ہے۔ حضرت خالد بن ولید نے اس موقعہ پر جو امان نامہ عطا کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"بسم الله الرحمن الرحیم. هذا ما اعطی خالد بن الولید اهل دمشق اذا دخلها اعطاهم امانا علی انفسهم واموالهم وکنائسهم وسور مدینتهم لا یهدم ولا یسکن شی من دورهم لهم بذالك عهد الله وذمة رسوله صلی الله علیه وسلم والخلفاء والمؤمنین لا یعرض لهم الا بخیر اذا اعطوا الجزیة،، ۲۲؎

(شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور کرم فرماتا ہے، یہ وہ پروانہ

ہے جو خالد بن الولید نے اہل دمشق کو وہاں داخل ہوتے وقت عطا کیا، آپ نے ان تمام کو جان و مال اور عبادت خانوں اور شہر پناہ کی طرف سے امن بخشا، علاوہ ازیں شہر پناہ نہ ڈھائے جائیں گے اور نہ ان کے گھروں میں کوئی سکونت اختیار کرے گا۔ اس لیئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اور تمام مومنین کی طرف سے ان چیزوں کا عہد ہے، جب تک یہ جزیہ دیتے رہیں گے سوائے بھلائی کے اور کوئی اعتراض نہ ہوگا)۔

اس امان نامہ کا ایک ایک جملہ اس بات پر واضح دلالت کرتا ہے کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ کوئی ایسی رعایت نہیں ہے جس کا پاس و لحاظ نہ رکھا گیا ہو، جان، مال، گرجے، شہر اور ان کے گھر سب چیزوں کے لیئے امن امان کا اقرار کیا گیا ہے۔

سلوک کے اثرات

مسلمانوں نے اپنے ان عہد و پیمان کی وفاداری کا جیسا ثبوت دیا ہے، اس کی مثال تاریخ نہیں پیش کر سکتی ہے۔ خود غیر مسلم رعایا نے اس سلسلہ میں اعتراف احسان کیا ہے کہ اپنے ہم مذہبوں کے مقابلہ میں مسلمان حکمرانوں کو ترجیح دی ہے۔ شام میں حضرت ابوعبیدہ اور آپ کے مسلمان حکام نے غیر مسلم کے ساتھ عدل و انصاف کا ایسا ثبوت بہم پہنچایا کہ وہاں کی رعایا مسلمانوں کی گرویدہ اور ممد و معاون بن گئی۔

فلما رای اهل الذمة وفاء المسلمین لهم وحسن السیرة فیهم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین، علی اعدائهم فبعث اهل کل مدینة ممن جری الصلح بینهم بین المسلمین رجالا من قبلهم یتحسسون الاخبار عن الروم وعن ملکهم ومایریدون ان یصنعوا"۔[۴۳]

(ذمیوں نے جب اپنے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اور حسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ دیکھا تو یہ ان کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ ان کے حامی و مددگار بن گئے اور ان

کے دشمنوں کے سخت ترین مخالف اور ان تمام شہروں کے باشندوں نے جن سے صلح ہو چکی تھی اپنی طرف سے کچھ لوگوں کو بطور سی ۔ آئی ۔ ڈی، روم کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے ارادے کی رپورٹ حاصل کر کے مسلمانوں کو پہنچائیں ۔

نظام جہاد

اسلام کے خلاف کفر کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے اور کفار کو ان سازشوں سے باز رکھنے کے لیئے ایک نظام جہاد متعین کیا گیا، جس کی سب پہلی کڑی اور بنیاد جہاد کے لیئے تیاری رکھنا ہے چنانچہ اس سلسلے میں یہ حکم دیا گیا کہ :۔

"واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم" ۴۴

(اور جہاں تک تم سے ہو سکے قوت وطاقت اور پلے ہوئے گھوڑوں کی تیاری رکھو تا کہ تم اس طرح اللہ کے اور اپنے دشمن کے دل میں اپنا رعب قائم رکھ سکو) ۔

جہاد کی اس تیاری کے ساتھ ساتھ ایک نظام جہاد بھی دیا گیا اور اس نظام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا نظام جہاد وجہ قتل وقتال نہیں بلکہ دعوت امن ہے ۔

۱۔ جب جہاد کے لیئے گھر سے نکلو تو اللہ کا نام لے کر نکلو ۔
۲۔ اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ نکلو ۔
۳۔ آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو ۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ہر وقت پیش نظر رکھو ۔
۴ مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہو ۔ صبر اور تحمل سے کام لو ۔
۵ عین معرکہ قتال میں بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو ۔ جس کے لیئے جانبازی اور سرفروشی کرنے نکلے ہو ایک لمحہ کے لیئے اس سے غفلت نہ ہو ۔

"یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب

ریحکم واصبروا ان اللّٰہ مع الصابرین ولا تکونوا کالذین خرجوا
من دیارھم بطرا ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللّٰہ واللّٰہ بما یعملون محیط
اے ایمان والو جب کافروں کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو امور ذیل کو ملحوظ رکھو۔۔

۱۔ جہاد میں ثابت قدم رہو۔
۲۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ اس کے نام کی برکت سے تم کامیاب ہو۔
۳۔ اور ہر امر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ملحوظ رکھو۔
۴۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔
۵۔ اور ان کافر لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ کہ (جو اس واقعہ بدر میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور دکھلاتے ہوئے نکلے ہیں اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا محیط ہے۔
۶۔ اپنی کثرت اور ساز و سامان پر کبھی مغرور نہ ہوا ور قلت سے کبھی گھبراؤ نہیں ہر حال میں خداوند ذوالجلال پر اعتماد اور بھروسہ رکھو۔ فتح و نصرت کا مالک صرف اسی کی ذات کو جانو، ارشاد الٰہی ہے۔۔

"لقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم
فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم
مدبرین ثم انزل اللّٰہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل
جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین

(تحقیق اللہ تعالیٰ نے بہت میدانوں میں تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں مبتلا کر دیا تو تم کو تمہاری کثرت ذرہ برابر کام نہ آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پشت پھیر کر بھاگ پڑے اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اور طمانیت کو اتارا اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو سزا دی اور

یہی سزا ہے کافروں کی)

۷۔ جب سوار ہونے لگو تو اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہاری آسائش کے لیئے یہ سامان سفر پیدا فرمایا اور یہ پڑھو۔

"سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون" ؎۴۹

پاک ہے وہ ذات جس نے ان جانوروں کو ہماری سواری کے لیئے مسخر کر دیا ورنہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی اور تحقیق ہم سب اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔)

۸۔ عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو نہ مارو۔

۹۔ کھڑی فصلوں کو تباہ نہ کرو۔

۱۰۔ جب کسی بلندی پر چڑھو تو خداوند ذوالجلال کی عظمت وکبریائی کا خیال کر کے اللہ اکبر کہو اور جب پستی اور نشیب کی طرف اترو تو سبحان اللہ کہو۔ کہ وہ ہر پستی سے پاک اور منزا ہے۔

۱۱۔ اللہ اگر اپنے فضل سے فتح وظفر نصیب فرمائے تو امیر لشکر کو چاہیئے کہ مجاہدین کی صفیں قائم کر کے ان الفاظ میں اللہ کا شکر ادر اس کی حمد اور ثنا کرے اور تمام لشکر آمین کہے۔

"اللھم لك الحمد كله لا قابض لما بسطت ولا باسط لما قبضت ولا ھادی لمن اضللت ولا مضل من ھدیت ولا معطی لما منعت ولا مانع لما اعطیت ولا مقرب لما باعدت ولا مباعد لما قربت اللھم ابسط علینا من برکاتك ورحمتك وفضلك ورزقك" ؎۵۰

۱۲۔ فتح ونصرت کے بعد بطور فخر یہ نہ کہو کہ ہم نے فتح کیا بلکہ اللہ کی طرف منسوب کرو کہ اس نے محض اپنے فضل اور رحمت سے ہم کو فتح دی۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد سے واپس ہوتے تو یہ کلمات توحید آپ کی زبان پر ہوتے:۔

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له له الملك وله الحمد وھو

علی کل شئ قدیرہ آئبون تائبون عابد ون ساجد ون سائحون
لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ۔ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہٗ

۱۳۔ کتا اور گھنٹا اور باجا ہمراہ نہ ہو۔ جس قافلہ میں یہ چیزیں ہوتی ہیں فرشتے ان کے ہمراہ نہیں ہوتے۔ ؎۵۰

یعنی عیش وطرب کا کوئی سامان ساتھ نہ ہو۔

احکام قرآنی اور تعلیمات نبوی سے مستفاد ان آداب جہاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام وقت معرکہ یا بعد از معرکہ فتح ونصرت کی خوشی میں بلا وجہ کشت وخون اور فساد فی الارض کی اجازت نہیں دیتا۔ معلوم ہوا کہ اسلام کا نظام جہاد بھی دراصل دعوت امن ہے اور قیام امن کے لیے ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

قیام امن

گزشتہ بحث سے اسلام کا نظام امن اور اس کے خدوخال واضح ہو گئے اور اس بات کا علم ہو گیا کہ امن کے اس نظام میں کونسے عوامل بنیادی واساسی حیثیت کے حامل ہیں اور قیام امن کے سلسلہ میں ان عوامل کا کیا کردار ہے۔ مزید براں یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اسلام کا نظام امن ایک ہمہ گیر نظام ہے جو ایسی مضبوط ومستحکم بنیادوں پر استوار ہے کہ جو کسی بھی زمانہ ووقت میں کسی محل یا مقام پر قائم کی جا سکتی ہیں اور ان پر ایک مامون ریاست تشکیل دی جا سکتی ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ امت نے جب تک اپنے نظام کار کو ان بنیادوں پر قائم رکھا، امن وسلامتی کے نتائج وثمرات سے بہرہ اندوز ہوئی اور جب کبھی اس نظام امن وسلامتی سے اعراض کیا، مصائب، مشکلات اور فتن سے دوچار ہوئی۔ اوراق آئندہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں اسلامی مملکت میں قیام امن کے لیے جو اقدامات کیے گئے، ان کو بیان کیا جائے گا جس سے نظام امن کے قیام ونفاذ کے اصول وقواعد کی جانب رہنمائی ہو گی۔

اولین اسلامی سلطنت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آغاز وحی اور بعثت و رسالت کے بعد دس سال تک مکہ مکرمہ میں دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اور آپ کے صحابہ کو جن امتحانات، مصائب اور تکالیف کا سامنا ہوا، وہ تفصیلات محتاج بیان نہیں۔ جب مکہ مکرمہ میں غلبہ اسلام کے تمام امکانات پردہ عدم میں چلے گئے تو آپ نے حکم الہٰی سے مسلمانوں کو جانب یثرب ہجرت کا حکم دے دیا اور کچھ عرصہ بعد آپ بھی اپنے رفیق غار کے ہمراہ مدینہ منورہ وارد ہوئے۔ مدینہ منورہ میں آپ کے قدوم میمنت لزوم سے پہلی اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی اور آپ نے اس ریاست کو ایک فلاحی اور پرامن ریاست بنانے کے لیئے کاوشیں شروع فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراہم کردہ اساس و بنیاد، آپ کی تعلیمات احکام اور طریقہ سنت پر خلفاء راشدین نے اس ریاست امن کو مضبوط و مستحکم بنایا اور کچھ ہی عرصہ میں ایک ایسا وقت آگیا کہ اسلام مسلمان اور مسلمان حکومت امن و عافیت کی ایک علامت بن گئے۔ (شام کے ذمیوں کے تاثرات کتاب الخراج کے حوالہ سے نقل کیئے جاچکے ہیں) ان اقدامات و احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اندرونی امن۔

۲۔ بیرونی امن

اندرونی امن

اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونی امن کے قیام کے لیئے حسب ذیل بنیادی و اساسی اقدامات کیے۔

۱۔ مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا اور اس طرح نقض امن کے اس خطرہ کو ختم کر دیا کہ جو ایک نئی قوم کے آباد ہو جانے کی بناء پر پیدا ہو سکتا تھا۔

کیونکہ اہل مکہ مزاجاً سخت تھے جبکہ اہل مدینہ کے اندر بردباری تھی، مدینہ کے گرد و نواح میں اہل کتاب کی کثرت سے آبادی کی بنا پر اہل مدینہ اپنے آپ کو عرب میں باعتبار علم ممتاز سمجھتے تھے جبکہ اہل مکہ عربی زبان پر مکمل دسترس اور شاعری کی بنا پر علم میں اپنے آپ کو فائق سمجھتے تھے ، غرضیکہ بہت سے ایسے عوامل تھے کہ جو وجہ نزاع ، سبب اختلاف اور موجب فساد ہو سکتے تھے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات قائم کر کے ان تمام امکانات کا سدباب کر دیا۔

۲۔ نزاع و اختلاف اور فساد و بدامنی کا ایک بڑا سبب علم کی کمی اور تربیت کا فقدان ہے علم کی اس کمی کو پورا کرنے اور تربیت کے لیئے صفہ میں ایک درس گاہ قائم کر دی گئی کہ جس میں تلامذہ رسول تعلیم بھی حاصل کرتے اور تربیت بھی حاصل کرتے۔

۳۔ اسلام کی آمد سے قبل عرب و عجم اور خصوصاً اہل کتاب میں عام طور پر یہ بات مروج تھی کہ کسی جرم کی سزا صرف عام افراد کو دی جاتی تھی ۔، سرداران قبائل، عمائدین اور علماء اپنے آپ کو قانون سے بالاتر اور مستثنیٰ سمجھتے تھے ۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف پر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی اور صریح الفاظ میں اس بات کا اعلان کر دیا کہ جرائم پر معینہ سزائیں جرم کے ثبوت کی صورت میں مجرم کو ضرور دی جائیں ۔ خواہ وہ کسی بھی اعلیٰ خاندان یا قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو ۔ حتیٰ کہ وہ حضورؐ کی اپنی لخت جگر فاطمہؓ ہی کیوں نہ ہو ۔ عدل و انصاف پر قائم اس ریاست میں ہر شخص مطمئن تھا اور کوئی بھی شخص تصور نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ارتکاب جرم کے بعد سزا سے بچ سکتا ہے ۔

۴۔ جذبہ اطاعت ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر تین اطاعتوں کو لازم قرار دیا ہے ۔۔

" یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم "[50]

(اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو ، رسول اور اولی الامر کی)

اس جذبہ اطاعت کو اجاگر کئے بغیر ایک فلاحی اور پرامن معاشرہ کا قیام ممکن نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں جب صحابہ کرام کی زندگیوں کو دیکھا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ انکی زندگیاں اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کا ایک عظیم ترین نمونہ تھیں۔

امام احمد بن حنبل عبداللہ بن عمرؓ کا ایک معمول نقل کرتے ہیں: ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب حج و عمرہ کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے، جہاں رسول کریم نے پڑاؤ کیا تھا، وہاں پڑاؤ کرتے، جس درخت کے سایہ میں آپ نے آرام کیا تھا وہاں آرام کرتے"۔[۵۱]

یہ جذبہ اطاعت ایک یا چند صحابہ میں موجزن نہ تھا، بلکہ ہر صحابی اسی جذبہ کی عملی شکل تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اجتماعی مظاہرہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں ۔

"اتخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ذھب فاتخذ الناس خواتم من ذھب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی اتخذت خاتما من ذھب فنبذہ وقال انی لن البسہ ابدا فنبذ الناس خواتمھم"[۵۲]

(نبی کریمؐ نے ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی پہن لی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں پس نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میں نے سونے کی انگوٹھی لی تھی پھر اسے اتار دیا اور فرمایا کہ میں آئندہ اسے ہرگز نہ پہنوں گا تو تمام لوگوں نے اپنی انگوٹھیاں اتار دیں)۔

۵۔ مفسد کی سزا: ۔ قرآن کریم میں مفسد کی جو سزا بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے۔

"ان الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض"[۵۳]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کریں یا زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے، یا پھانسی دے دی جائے، ان کے

ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں بھی اندرونی امن کے قیام کے لیئے اسی قسم کے اقدامات کیئے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو لاتعداد اندرونی فتنوں اور سازشوں نے سر اٹھایا۔ مدعیان نبوت کا فتنہ کھڑا ہوا۔ مرتدین اور باغیوں نے شورش برپا کی اور ایک طبقہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ صدیق اکبرؓ نے ایک عمدہ حکمت عملی کے ساتھ قلیل مدت میں ان عظیم فتنوں پر قابو پا لیا اور یہی اندرونی امن و استحکام دور فاروقی کی عظیم فتوحات کا پیش خیمہ بنا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس اندرونی امن کو مستحکم بنیادوں پر قائم رکھنے کے لیئے غیر مسلموں کی مدینہ منورہ میں آبادکاری پر پابندی عائد کر دی تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت کے آخری ایام میں صحابہ کرام کو اس جماعت سے قتال کرنے کو منع کر دیا جس نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ کہ اس میں ایک جانب حرم نبوی کی توہین ہوتی اور دوسری جانب فتنہ و فساد برپا ہوتا اور مسلمانوں کا کشت و خون ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کے طریقہ کی چند مثالوں سے جو بنیادی امور اندرونی قیام امن کے سلسلہ میں مستفاد ہوئے اس کی دو بڑی بنیادیں ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کی حسن تربیت کہ جس سے آپس میں محبت و اخوت، ایثار و ہمدردی، دیانتداری، قانون کا احترام، فرائض کی بجا آوری، اطاعت الٰہی، اطاعت رسول اور اطاعت اولی الامر کے جذبات پیدا ہوں اور کسی بھی مرحلہ یا موقع پر وہ ذاتی مفاد کو جماعتی یا ملکی مفاد پر ترجیح نہ دیں۔

۲۔ غیر مسلموں کا انتظام: دوسری بنیاد و اساس یہ ہے کہ جہاں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی نگہداشت ہو، وہاں اس بات سے بھی پوری طرح باخبر رکھا جائے کہ غیر مسلم طبقہ کسی طور سے مسلمانوں کے درمیان کشیدگی، عداوت یا نفرت پیدا کرنے

کی جسارت نہ کر سکے۔ بحیثیت ذمی ان کے حقوق کی حفاظت اسی وقت تک اسلامی حکومت پر واجب ہے جبکہ وہ ایسے افعال، کردار اور اقدامات سے باز رہیں جو اسلام کی توہین و بے حرمتی، مسلمانوں میں تفرقہ یا ان کی دل آزاری کا سبب ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور خلفاء راشدین کی تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ان حضرات نے اندرونی امن کے قیام کے لیئے ان بنیادوں پر سلطنت کو مستحکم کیا۔

بیرونی امن

کسی بھی مملکت میں اندرونی امن و سلامتی اور استحکام کے بعد یہ ضروری ہے کہ وہ سلطنت بیرونی خطرات اور فساد و بدامنی کے خدشات سے محفوظ ہو۔ اولین اسلامی سلطنت میں اندرونی امن کے قیام کے لیئے جو اقدامات کئے گئے تھے، ان کو بیان کیا جا چکا۔

۱۔ اندرونی امن کا مستحکم نظام کسی بھی سلطنت کو بیرونی امن اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اس میں اندرونی امن مستحکم بنیادوں پر قائم ہو۔ اور مملکت کسی اندرونی فساد کی شکار نہ ہو۔ کوئی بیرونی طاقت کسی مملکت کے خلاف اسی صورت میں فساد و بدامنی برپا کر سکتی ہے جبکہ اس مملکت کے اندرونی حالات بھی فساد و بدامنی کا شکار ہوں۔ اہل مکہ نے ہجرت کے صرف ایک ہی سال بعد غزوہ بدر میں شکست کا سامنا کیا۔ اور غزوہ احد میں اگرچہ ان کا پلہ بھاری رہا لیکن وہ کسی واضح کامیابی کے حصول سے قاصر رہے۔ کیونکہ سلطنت مدینہ اگرچہ ایک نوآموز سلطنت تھی لیکن اندرونی طور پر مستحکم امن کی بنیادوں پر قائم تھی۔

۲۔ میثاق مدینہ مدینہ منورہ میں اکثر و بیشتر آبادی اوس و خزرج کے قبائل کی تھی۔ مگر عرصہ دراز سے یہاں یہود بھی آباد تھے۔ مدینہ منورہ اور خیبر میں ان کے بیشتر علمی مراکز، مدارس اور قلعے تھے۔ اور یہ لوگ اہل کتاب ہونے کی بنا پر

سرزمین حجاز میں مشرکین کے مقابلہ میں علمی اعتبار سے اپنے آپ کو فائق و ممتاز سمجھتے تھے۔ صحف و کتب سماویہ سابقہ میں دسترس کی بنا پر نبی کریم کی ذات کا علم اور آپ کی نبوت و رسالت کی معرفت انہیں کاملاً حاصل تھی جس کی گواہی خود قرآن کریم نے "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" (یہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو) کہہ کر دی لیکن قبول اسلام کی صورت میں اپنے علمی تفوق و امتیاز ختم ہونے کے خدشہ کی بنا پر، ضد محض اور حجد و عناد کی وجہ سے قبول اسلام سے گریزاں تھے۔ ان کی اس ہٹ دھرمی ضد و عناد کی بنا پر اس بات کا خطرہ بجا طور پر کیا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کریں گے اور مسلمانوں کی مامون زندگی میں خلل ڈالنے کی سعی پیہم کریں گے۔ اس خطرہ، خوف اور خدشہ کی بنا پر ضروری تھا کہ ان سے ایسا معاہدہ کر لیا جائے کہ جس کی بنا پر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف کسی بدامنی کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ یہ معاہدہ تاریخ اسلام میں معاہدہ امن کے نام سے معروف ہے اور اس کی ایک ایک شق امن و عافیت اور سکون و اطمینان کی ضامن ہے۔

معاہدہ مدینہ کی تفصیلات ابن ہشام نے سیرۃ النبی میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ" میں بیان کی ہیں جس کا یہاں ملخص پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یہ تحریری عہد نامہ ہے محمد نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے درمیان مسلمانان قریش و یثرب کے اور یہود کے کہ جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر امور ذیل کا پابند ہوگا۔

(۱) قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔

(۲) ہر گروہ کو عدل اور انصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کے چھڑانے کے لیئے زر فدیہ کا دینا اسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

(۳) ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے ۔اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گی اگرچہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو ۔

(۴) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کے مقابلہ کی مدد کی اجازت ہوگی ۔

(۵) ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جیساکہ ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا ۔

(۶) جو یہود مسلمانوں کے تابع ہوکر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ ان کے مقابلہ میں ان کے دشمن کی کوئی مدد کی جائے گی ۔

(۷) کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے مابین حائل ہو ۔

(۸) بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا۔ مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی ۔

(۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لازم ہوگی ۔

(۱۰) جو قبائل اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا ۔

(۱۱) کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا یا اس کو اپنے پاس ٹھکانہ دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے ۔قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا ۔

(۱۲) مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا ۔

(۱۳) جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا۔

الا یہ کہ ولی مقتول دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔

(۱۴) جب کوئی جھگڑا یا کوئی باہمی اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔۵۲ھ

یہ معاہدہ آپ نے یہود کے تین بڑے قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے کیا تھا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے گریز کیا تھا، آپ نے ان سے یہ عہد نامہ لکھوا لیا تاکہ یہ لوگ فتنہ و فساد نہ پھیلا سکیں۔

سلسلہ غزوات

مہاجرین مدینہ قریش کے جو مظالم سہہ کر آئے تھے، ان کی روشنی میں بجا طور پر یہ توقع تھی کہ اہل مکہ اسلام اور مسلمانوں کی اس اولین سلطنت کو کبھی برداشت نہ کریں گے اور بہر حال و بہر طور اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کریں گے مسلمانوں کی اس سلطنت کے بقا اور ان کے حملوں سے مسلمانوں کے تحفظ کے لیئے دو بنیادوں پر سلسلہ غزوات قائم کیا گیا۔

۱۔ اقدامی

۲۔ دفاعی

سفر ہجرت کے واقعات، ہجرت کے بعد قریش مکہ کی جانب سے خبریں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ مسلمان نظام جہاد کے عملی نفاذ کی ابتداء دفاعی جہاد سے نہ کریں بلکہ ایسے اقدامات بروئے کار لائیں کہ جس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کی جانب سے رعب و ہیبت طاری ہو جائے۔ چنانچہ ۲ ہجری میں ہی مسلمانوں نے جرات و بہادری کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے قریش مکہ کی شہ رگ پر ہاتھ رکھنے کا فیصلہ کیا اور ایک تجارتی قافلہ پر جو مدینہ منورہ سے گزر رہا تھا، حملہ کا منصوبہ بنایا جس کے نتیجہ میں معرکہ بدر پیش آیا اور اس معرکہ میں قریش مکہ کے بڑے بڑے سردار جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سرداران مکہ کی ان اجتماعی اموات نے قریش مکہ کی کمر توڑ دی اور سال آئندہ ۳ھ

احد میں نہ صرف یہ کہ باوجود بظاہر غلبہ کے کوئی واضح کامیابی حاصل نہ کر سکے بلکہ ۴ھ میں ابوسفیان وعدہ کے مطابق مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیئے مکہ مکرمہ سے نکلا لیکن مرالظہران سے واپس ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ بدر کے مقام پر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے اور جب وہ نہ آیا تو واپس مدینہ منورہ چلے گئے ۵۵

مزید یہ کہ دوران غزوہ اور بعداز فتح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا جو طریقہ اہل عرب نے دیکھا وہ متاثر کرنے والا تھا۔ آپ فتح کا جشن مناتے تھے نہ فتح کی خوشی میں کشت وخون یا لہو ولعب کیا جاتا۔ غرضیکہ آپ کا یہ سلسلہ غزوات قتل وقتال کے بجائے انسانیت کے لیئے ایک دعوت امن تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق نے اندرونی مستحکم امن کے قیام کے بعد بیرونی خطرات فساد سے بچنے کے لیئے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا جس نے دور فاروقی وعثمانی میں عروج کی منزلیں طے کیں۔ اہل اسلام کی یہ لشکر کشی اس قدر پر امن ہوتی تھی کہ دور عثمانی میں یہ نوبت آگئی تھی کہ ایسی غیر مسلم اقوام جو کسی جابر سلطان کے مظالم کا نشانہ بن رہی ہوتیں، مسلمان لشکروں کی منتظر رہتیں اور ان کی آمد کو اپنے لیئے امن ونجات کا ذریعہ وسامان خیال کرتی تھیں۔ (اس سلسلہ میں ایک اقتباس نقل کیا جا چکا ہے)

غرضیکہ جہاد یا معاہدات ان دو بنیادوں پر بیرونی امن کی عمارت استوار تھی، جہاد صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے تھا اور معاہدات میں یہ بات مدنظر رکھی جاتی تھی کہ کسی ایسی چیز پر معاہدہ نہ ہو جو احکام اسلام کے خلاف ہو یا جس میں اسلام اور مسلمان کفر اور کفار سے مغلوب نظر آتے ہوں۔

پاکستان میں قیام امن

پاکستان میں اندرونی اور بیرونی طور پر مستحکم امن کے قیام میں پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع، گرد ونواح کے حالات، پاکستان کے سیاسی حالات اور یہاں کا نظام تعلیم

تربیت بنیادی و اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔ پاکستان جس مقام پر واقع ہے اس میں ایک جانب سمندر، ایک طرف ہندوستان اور کشمیر اور ایک جانب افغانستان اور ایران واقع ہیں۔

ہندوستان نے سیاسی طور پر کبھی پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور ہندوستان سے ماضی کے مشاہدات و تجربات اور حکومت کی اسلحہ کے حصول کی حالیہ مساعی مستقبل کے خدشات کو پختہ تر کرتی ہیں۔ کشمیر مسائل کی ایک عظیم دنیا کا نام ہے جن کو باوجود چالیس سالہ مسلسل کاوش و محنت حل نہیں کیا جا سکا۔ دوسری جانب افغانستان اور ایران دونوں طویل جنگوں میں مبتلا ہیں۔ افغانستان کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اس وقت روس اور افغانستان کے درمیان خوست کے مقام پر لڑائی جاری ہے اور یہ شہر پاکستان کی سرحد سے افغانستان کا قریب ترین شہر ہے۔ اندرونی طور پر پاکستان کے چاروں صوبے بالخصوص صوبہ سندھ و سرحد تخریب کاروں کی زد میں ہیں اور وہ مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے دھماکے کر رہے ہیں۔ دسمبر ۱۹۸۶ کے دوران کراچی کے فسادات میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۱۸۰ ہے۔ (۵۷)

اخباری اطلاعات کے مطابق سال ۱۹۸۷ کے دوران پاکستان میں ۳۰۰ سے زائد دھماکے ہوئے جن میں ۵۰۰ سے زائد افراد ہلاک اور تقریباً ۱۱۰۰ زخمی ہوئے۔ ان دھماکوں میں سے زیادہ دھماکے صوبۂ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں ہوئے ہیں[۵۸]۔ ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ تخریبی عناصر نے ملک میں ہر جانب بدامنی، بے چینی اور فساد پھیلانے کا ایک عظیم منصوبہ تیار کر رکھا ہے۔ کراچی و اندرون سندھ فسادات بھی اسی کی ایک کڑی معلوم ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ملک میں اندرونی امن کے قیام کے لیئے جو اقدامات کیئے جانے چاہئیں، ان کو تجاویز کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

نظام تعلیم وتربیت

کسی نظام تعلیم کی خصوصیات میں جو چیز اساسی و بنیادی حیثیت رکھتی ہے، وہ علم و دانش میں فروغ و ترقی کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت، قلبی اصلاح کا حصول اور فکری کج روی سے نجات دلانا ہے، اگر کوئی نظام تعلیم انسانی ذہن و فکر کو ارتقاء اور اس کے اندر احسن تبدیلیاں لانے پر قادر نہیں بلکہ محض کتابی علم تک محدود ہے، وہ نظام تعلیم خواہ وہ کسی بھی نظریہ کے ساتھ منسلک ہو کسی بھی فکر کا پرچار کرتا ہو، کامیاب نظام تعلیم کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس کے مقابلہ میں وہ نظام تعلیم کامیابی و کامرانی کے حاصل کرنے والا کہلا سکتا ہے جو اپنے اندر ایسی انقلابی خوبیاں اور تاثیر رکھتا ہو کہ جو ذہن انسانی اور انسان کے فکر و دانش پر اپنا پائیدار اثر چھوڑے۔ بلکہ اس کے اندر اس قدر اثر پذیری ہو کہ وہ نظام نہ صرف اس سے منسلک لوگوں اور مستفید ہونے والے طلباء کے اذہان میں فکری تبدیلیاں پیدا کرے بلکہ دیکھنے والوں کے اذھان بھی چند دن اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے ذہن و فکر اور عقائد و خیالات میں یکسر تبدیلی محسوس کریں۔

محرم ۶ھ میں محمد بن مسلمہ انصاری کی قیادت میں ایک مختصر جمیعت قرطاء کی جانب روانہ کی گئی۔ یہ جمیعت وہاں سے فاتح لوٹی مال غنیمت کے علاوہ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن آثال کو بھی قیدی بنا کر لائے۔ ثمامہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا تین دن ثمامہ اس ستون کے ساتھ بندھے رہے۔ اور نبی کریم کی مجالس تعلیم و دعوت اور آپ کے نظام تعلیم اور اس سے مستفید ہونے والوں کا بنظر غائر مشاہدہ کرتے رہے تیسرے دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو آزاد کر دیا تو حاضر خدمت ہوئے اسلام قبول کیا اور عرض کیا۔

"یامحمد واللہ ماکان علی الارض وجہ ابغض الی من وجھک فقد اصبح وجھک احب الوجوہ الی واللہ ماکان من دین ابغض الی من دینک فاصبح دینک احب الدین الی، واللہ ماکان

من بلد ابغض الی من بلدک فاصبح بلدک احب البلاد الی"۵۹ھ

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ نفرت کسی چہرے سے نہ تھی، لیکن اب آپ کا چہرہ محبوب ترین چہرہ ہے، خدا کی قسم آپ کے دین سے زیادہ نفرت مجھے کسی دین سے نہ تھی، اب آپ کا دین محبوب ترین دین ہے، خدا کی قسم مجھے آپ کے شہر سے زیادہ نفرت کسی شہر سے نہ تھی، اب آپ کا شہر محبوب ترین شہر ہے۔

یہ وہ ذہنی و فکری انقلاب تھا اور عقائد و نظریات کی اصلاح تھی جو ایسے شخص کو حاصل ہوئی کہ جو اس نظام تعلیم سے براہ راست منسلک تھا نہ اس کا ذہن ان عقائد سے وابستہ تھا نہ اس ملت و قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ ایک کامیاب نظام تعلیم کی اساس و بنیاد ہے جو اس قدر بڑا اور اتنا سریع انقلاب فکر و دانش میں برپا کرے اور ذہنی صلاحیتوں کے رخ کو یکسر موڑ دے۔

چنانچہ اس ضمن میں ضروری ہے کہ نظام تعلیم و تربیت ایسے منہاج پر استوار کیا جائے کہ جو اہل وطن کے قلوب میں دین اسلام کی عظمت، ملک کی محبت اور قوم کا درد ایک بحر بیکراں کی طرح موجزن کر دے۔ طلباء کو منفی سیاسی قوتوں سے جو طلباء کی فکری ناپختگی کی بنا پر ان کے جوان جذبہ کو غلط رخ پر ڈال کر اپنا مفاد حاصل کرتی ہیں، سے بچایا جائے اور اس بات کی کڑی نگرانی کی جائے کہ منفی سیاسی نظریات، قوت یا جماعت براہ راست یا بالواسطہ طلباء پر اثر انداز نہ ہونے پائے۔ طلباء کے حقوق کی اس طرح حفاظت کی جائے کہ وہ اپنے آپ کو کسی بھی موقع و مرحلہ پر مظلوم تصور نہ کریں اور اپنے حقوق کی حفاظت اور مطالبات کو تسلیم کرانے کے لیئے سیاسی قوتوں کا سہارا لیں۔ نظام تعلیم و تربیت کی عمارت ایسی بنیادوں پر رکھی جائے کہ اس مکان کے مکین اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، عظمت اور محبت سے سرشار ہوں اور اولی الامر کی اطاعت اپنا دینی و اخلاقی فریضہ سمجھتے ہوں

فوری اور مفت انصاف

کسی معاشرہ میں امن و سکون قائم کرنے اور اسے مستحکم و مضبوط بنیادوں پر

برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس معاشرہ میں افراد معاشرہ کو حصول انصاف میں کسی قسم کی تکالیف و مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے بلکہ انہیں بآسانی، بلاتاخیر انصاف مہیا ہو جائے۔ حصول انصاف میں رکاوٹیں ایک جانب مجرمین و مفسدین کے حوصلے بلند کرتی ہیں تو دوسری جانب شہری میں احساس محرومی اور جذبہ مظلومیت پرورش پانے لگتا ہے اور اس احساس و جذبہ سے ہی بیرونی اقوام فائدہ اٹھاکر افراد معاشرہ کو بغاوت و فساد پر آمادہ کرتی ہیں۔ چنانچہ ایسا نظام وضع کیا جائے کہ جس سے شہری مفت اور فوری انصاف حاصل کر سکیں، اور اس طرح شہریوں میں احساس محرومی، جذبہ مظلومیت اور صوبائی عصبیت کو پیدا ہونے سے روکا جائے۔

مفسدین کی سزا

قرآن کریم میں مفسدین کے لیئے جو سزا بیان کی گئی ہے اس کو نقل کیا جا چکا ہے۔ پاکستان میں ۱۹۸۷ء میں جس قدر دھماکے ہوئے، ان کے اعداد و شمار بھی بیان کر دیئے گئے ہیں اس تعداد کے مقابلہ میں اگر یہ دیکھا جائے کہ کتنے مفسدین قانون کی گرفت میں ہیں یا کتنے سزا پا چکے ہیں تو معدودے چند افراد دستیاب ہو سکیں گے۔ یہ بات مجرمین و مفسدین کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوتی ہے اور وہ آئندہ کے لیئے جامع تر منصوبہ بندی سے فساد پھیلاتے ہیں۔ لیکن اگر گر بہ کشتن روز اول کے اصول پر عمل کیا جائے، مفسدین کو سرعام عبرتناک سزائیں دی جائیں تو ان واقعات میں خاطر خواہ کمی ہو سکتی ہے اور معاشرہ میں امن و امان قائم کیا جا سکتا ہے۔

ذرائع ابلاغ

ملک میں ذرائع ابلاغ کا نظام اور خصوصاً اخبارات کا طریق کار کچھ اس طرح ہے کہ وہ قوم کی مطلوبہ اخلاقی و ذہنی تربیت کر سکے اور نہ ہی ان میں ملک و قوم کے لیئے محبت و ہمدردی کے جذبات اجاگر کر سکے۔ اہل صحافت کا یہ طرز عمل جہاں ایک جانب ملک کی

ترقی میں سدراہ ہے تو دوسری جانب مفسدین کی سرکوبی اور مجرمین کی حوصلہ شکنی سے دست کش ہے۔ اس وقت ملک میں اہل صحافت کا یہ فرض عین ہے کہ وہ قوم میں دین کی عظمت، ملک کی محبت پیدا کرنے کی سعی پیہم کریں اور صوبائی عصبیت کو ختم کرنے کی جدوجہد کریں۔

سرحدوں کی کڑی نگرانی

پاکستان کی جس قدر بھی سرحدیں کھلی ہوئی ہیں ان کی کڑی نگرانی کی جائے اور ایسے افراد کے داخلہ کو حتی الوسع ناممکن بنایا جائے۔ جو ملک میں فساد و بدامنی پھیلائیں۔ اندرونی مستحکم امن پیش خیمہ ہوگا بیرونی امن کا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایک مامون و محفوظ ملک و سلطنت عطا فرمائے۔ آمین۔

حواشی

۱ـہ ۲ البقرہ، ۳۰
۲ـہ ابن منظور، لسان العرب، قاہرہ، دارالمعارف، ج ۱۔ص ۱۴۰، ذکر امن
۳ـہ ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد شیبانی، الکامل فی التاریخ، بیروت، دار صادر ۱۹۷۹، ج ۱ص ۳۹۔
۴ـہ ۲، البقرہ، ۶۰۔
۵ـہ ۷، الاعراف، ۵۶۔
۶ـہ ۳، آل عمران، ۶۴
۷ـہ ایضاً۔
۸ـہ ۳، آل عمران، ۱۰۳
۹ـہ ابوعلی قالی، کتاب الامالی، ج ۱، ص ۶، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۵ء، ج ۲، ص ۹۔
۱۰ـہ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کراچی، نور محمد، ج ۱، ص ۴۹۸، باب ذکر اسلم وغفار و مزینہ وجہینہ واشجع، کتاب المناقب۔
۱۱ـہ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، لاہور، مکتبہ سلفیہ، ج ۲، ص ۱۵۱،
۱۲ـہ ۶۴، التغابن، ۱۰
۱۳ـہ ۹۸، البینۃ، ۶۔
۱۴ـہ ۷، الاعراف، ۱۷۹
۱۵ـہ ۴، النساء، ۹۳۔
۱۶ـہ ۵، المائدہ، ۳۲۔
۱۷ـہ رازی، فخرالدین، التفسیر الکبیر، طہران، دارالکتب العلمیہ، ج ۱۱، ص ۲۱۳۔

۱۸ه ۴، النساء، ۹۲
۱۹ه ۲، البقرہ، ۱۹۱
۲۰ه ایضاً، ۲۱۷
۲۱ه ایضاً، ۱۹۳
۲۲ه ۸، الانفال، ۲۵۔
۲۳ه ایضاً، ۷۳
۲۴ه ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی الدرالمختار، بیروت، داراحیاء التراث العربی
ج ۱، ص ۲۳۵۔
۲۵ه بخاری، الجامع الصحیح، ج ۲، ص ۱۱۵، کتاب الزکوۃ
۲۶ه ۵، المائدہ، ۳۸۔
۲۷ه ۴، النساء، ۴۔
۲۸ه ۷، الاعراف، ۱۸۹۔
۲۹ه ۶۔ الانعام، ۲۔
۳۰ه ۶۴ التغابن، ۲
۳۱ه ۴۹، الحجرات، ۱۰
۳۲ه ۳، آل عمران، ۱۰۳
۳۳ه ۴۹، الحجرات، ۱۳
۳۴ه ۱۱، ھود، ۴۵۔
۳۵ه ۱۱، ھود، ۴۶
۳۶ه ۴۹، الحجرات، ۱۰
۳۷ه ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء اسماعیل الحافظ، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دارالمعرفۃ
۱۹۶۹ء، ج ۲، ص ۱۸۹۔
۳۸ه زیلعی، جلال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف، نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ،

لاہور، دار نشر کتب اسلامیہ، ج ۳، ص ۳۸۱۔

۳۹ھ ایضاً

۴۰ھ بلاذری، ابو العباس احمد بن یحیٰی، فتوح البلدان، ای جے برل، ۱۸۶۵، ص ۶۴۔

۴۱ھ الخطیب، ولی الدین محمد بن عبد اللہ مشکوۃ المصابیح، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص ۲۵۴ باب الصلح۔

۴۲ھ بلاذری، کتاب مذکور، ص ۱۲۱

۴۳ھ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم قاضی، کتاب الخراج، بولاق، ۱۸۷۹ء، ص ۴۹۔

۴۴ھ ۶، الانعام، ۴۵ تا ۴۷۔

۴۵ھ ۱۲، التوبہ، ۲۵، ۲۶۔

۴۶ھ ۴۳، زخرف، ۱۳

۴۷ھ

۴۸ھ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کراچی، نور محمد، ج ۲، ص ۹۴۴، ۹۴۵، باب الدعا اذا اراد سفرا او رجع فیہ، کتاب الدعاء

۴۹ھ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ملتان، نشر السنہ جز ثالث، ص ۲۰۳، باب ما جاء فی الاجراس علی الخیل، ابواب الجہاد

۵۰ھ ۴، النساء ۵۹۔

۵۱ھ مسند احمد، ج ۸، ص ۶۸۔ ۷۷، بحوالہ حریری، غلام احمد، مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ، ص ۵۔

۵۲ھ ۵، المائدہ، ۳۳

۵۳ھ بخاری، الجامع الصحیح، ج ۹، ص ۱۱۹، کتاب الاعتصام بالسنہ، باب اقتداء بافعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۵۴ھ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج ۲، ص ۱۴۷ تا ۱۵۰ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر دمشقی، البدایہ والنہایہ، لاہور، مکتبہ قدوسیہ ۱۹۸۴ء

ج ۳، ص ۲۲۴ ۔

۵۵ھ ابن ہشام، کتاب مذکورہ، ج ۲، ص ۱۳۶

۵۶ھ بخاری، الجامع الصحیح، ج ۲، ص،

۵۷ھ THE PAKISTAN TIMES LAHORE MARCH 11, ۱۹۸۷ء

۵۸ھ JAN TO DEC ۱۹۸۷

سینٹ کو پیش کی جانے والی ایک رپورٹ کے مطابق یکم جنوری ۱۹۸۷ سے ۵ جولائی ۱۹۸۷، تک ملک بھر میں ۲۵۶ دھماکے ہوئے ہیں ۔ دیکھئے : ۔

THE PAKISTAN TIMES LAHORE, AUGUST, 7, ۱۹۸۷ء

۵۹ھ بخاری الجامع الصحیح، ج ۲، ص ۶۲۷، ۶۲۸ ۔ باب وفد بنی حنیفہ کتاب المغازی۔